۲۸۴

سلسلۂ انتخاب دواوین اساتذۂ اردو زبان

انتخابِ دیوان

مرزا قادر بخش صابر دہلوی

جسکو

سید فضل الحسن حسرت موہانی اڈیٹر اردوے معلیٰ نے مرتب کرکے

اردو پریس علیگڈھ میں چھاپا
اور شایع کیا

انتخاب دیوان

مرزا قادر بخش صابر دہلوی

مسیحائی کرے کیونکر نہ اندازِ رقم میرا
بڑھا شرم گرنے سے اسقدر گردن کا خم میرا
گناہِ عشق کی رنگت نے دلکو اور رونق دی
وہ میکش ہوں بجز انگور کچھ پیدا ہو ترا ابد
مشرف ہو نہیں تشریفِ حیاتِ جاودانی
بنا ہی کیا انہیں حرفوں نے شکل قفل ابجد وہ

انداز ہی کچھ ایسا رفتارِ نازنین کا
ہر شے ہی اُسکے تن میں تعریف سے مرکب
ہی شکستِ اعتقادی اتنی گراں تبونگی
گستاخیوں نے میری اچھی مصوری کی
مجبوری کی ہی شہادت اثبات راستی کا
اُس گلبدن کے رخ سے دلبستگی ہی سکو
نقش قدم بنایا افتادگی نے مجکو

شعلۂ حسن اُنکا بڑھ بڑھ کر نہاں ہو جائیگا
گر غبارِ دل بلند ای جانِ جاں ہو جائیگا
قتل کرتا ہی ہماری دشتِ وحشت را تدن
روز بڑھتا ہی حد سے بے حجابی کا خیال

کہ معجز آفریں ہی خامۂ مریم رقم میرا
کہ مثلِ حلقۂ پرکار ہی سر پر قدم میرا
سیہ پوشی سے کعبہ بنگیا بیت الصنم میرا
جو تیری کشت پر برسے سحاب چشم نم میرا
وجودِ ظاہری کرتا ہی اثباتِ عدم میرا
لبِ جاں سد کو صابر کھولتا ہی حرفِ ذم میرا

لب پہ صدا ہی پا کے ہی جوش آفریں کا
ابرو بھی نون گویا ہی لفظِ آفریں کا
انپے ہی اُٹھانا مشکل ہمیں یقیں کا
نقشہ نیا بنایا اُس چشمِ سرمگیں کا
کُندہ ہی حرف اُلٹا ہر ہر کے نگیں کا
ہر قطرہ عرق ہی غنچہ دلِ حزیں کا
میں زندگی میں صابر پیوند ہوں زمیں کا

سبزۂ خط نکلے چہرے پر دھواں ہو جائیگا
آپ تو اپنی نگاہوں سے نہاں ہو جائیگا
دیکھنا اک دن بھلا ہمزباں ہو جائیگا
ڈھی پردہ اُنکے میرے درمیاں ہو جائیگا

گر ہی یہ نالونکا زور اور نرمی تن کا ہجوم
پنبۂ منقوش اک اک استخواں ہو جائیگا

میکشوں سے اسقدر سختی نکر ای محتسب
دل ترا سنگِ درِ پیر مغاں ہو جائیگا

دم بدم ہوتی ہی ای صابر نظر اپنی بلند
شیشۂ عینک نہ جاجِ آسماں ہو جائیگا

آلپسا رکھتا کمال ہی روی پرنور آفتاب
اپنے نزدیک آپکو کھینچا کرے دور آفتاب

جائے بیزاری ہی دنیا اسلئے رکھتا ہی پشت
منھ نہ پھیریگا ادہر گو تا بمقدور آفتاب

کچھ نظر آتا نہیں مجکو فراقِ یار میں
میری آنکھوں کی سیاہی میں ہے مستور آفتاب

جمع کر سامانِ غفلت تا میسر ہو فروغ
مے کے پینے سے ہوا مشہور انگور آفتاب

کسقدر شام و شبِ فرقت میں گھجاتی ہی جیب
کیا کھلاتا ہی شفق کا مجکو سیندور آفتاب

شکلِ وعدہ ہی تمہارا اگر سی خالی نہیں
جانتے ہو ہی ہمارا روے پرنور آفتاب

تفتہ جانونکو ہمیشہ تفتہ جانونکا ہی پاس
ق
چارہ میری زخم کا رکھتا ہی منظور آفتاب

مشک بھرتا ہی اگر اسمیں سوادِ شامِ ہجر
صبح کا آکر لگا دیتا ہے کافور آفتاب

صابر ارباب کرم کو ہی برابر قرب و بعد
ماہ کو دیتا ہی لیتے فرق پرنور آفتاب

جا ای نگاہ بہک کے اشکو نہیں سوے دوست
پژمردہ تا نہ ہو گلِ روی نکوے دوست

ناطاقتی سے جان نہ تن سے نکل سکی
مجکو ہوئی حیات ابد آرزوے دوست

بل آگیا مزاج میں اک امرِ سہل پر
ہوے میانِ دوست سے نازک ہی خو دوست

دشمن ہی دلنے راہ نکالی ہے آج کل
شاید گئی ہی راہ بھی سوے کوی دوست

دونی ہوئی ہی مجکو کدورت رقیب سے
جسدن سی دلمیں خاک ہوئی آرزوی دوست

کہتا ہی کچھ بہک کے نکلتا ہی منھ سے کچھ
ہی بیقرار میرے طرح گفتگوی دوست

خارِ دل رقیب کی اتنی ہی کثرتیں
مسدود ہو گئی ہی رہِ جستجوے دوست

غصہ سا غصہ آتا ہی صابر جناب کو
ہے جیے کبھی بقیۂ آبِ وضوی دوست

رحم ظاہر ہی مگر ظلم کو پنہاں رکھکر
لائے مقتل میں پر آنکھوں پہ دمداں رکھکر

دلِ ویران کو وہیں چھوڑ دیا وحشت میں
ہم بیابان کو چلے گھر میں بیاباں رکھکر

آن بیٹھیں وہ خود پہلوے صابر میں آج
دیکھ پچتائیگا حسرتِ دل نالاں رکھکر

یاروں کے ہوں سُراغ دوُر اور شکست پر
ہوں مُرغ نیم ذبح تری صید گاہ میں
قامت تمہارا الغرض انداز سے عضب
اے گُل ترے فراق میں یہ عندلیب دل
صابر یہ مجھسے ضد ہے کہ مُرغ شمیم گل
تو نہ جا انجمن وصل سے ترساں ہوکر
گرہی کثرت اعدا سے تو گھبرا کے کبھی
آپ جاتے ہیں تو قسمت کی سیاہی مری
میرے انداز محبت کے وہ دیوانے ہیں
ہوگئی رخ کی چمک پردہ چشم اغیار
اسقدر خوش ہوئی اُسکو جو صابر جاکر
کچھ اضطراب دل سے بنے اپنی جان پر
ہم ناتواں چڑھ نہ سکے اُسکے دہیان پر
ایما کیا ہے کہ سر نہ اُٹھائے دیار سے
اللہ ری ضد کہ بیٹھے جو ہم اُسکے در کے پاس
صابر ہماری زیست ہی تصویر موت کی
یوں ضعف میں نکلی تر ہو رنجور کی آواز
غش ہو گئیں ابھی حضرت موسیٰ اسے سُنکر
کیا منہ ہے جو غصے میں کوئی مار سکے دم
یوں نشۂ اُلفت میں ہوں خاموش کہ گویا
شب کو ن وہ نالاں تھا تر دوریہ اُسکی
رُخ کی تابش سے ہے زلفوں کی شکن میں آتش
ذات میں ہی ہے حسینوں کو خدا سے زینت

ہوں بلبلان باغ سے دور اور شکستہ پر
مضطر ہوں کوہ وباغ سے دور اور شکستہ پر
قمری ہے سرو باغ سے دور اور شکستہ پر
ہے گلشن فراغ سے دور اور شکستہ پر
ہے اسطرح دماغ سے دور اور شکستہ پر
راہ پاؤں سے لپٹ جائیگی داماں ہوکر
اپنے در پر تمہیں بیٹھو گے نگہباں ہوکر
پھیل جاتی ہے سواد شب ہجراں ہوکر
اُنپہ جاتی ہیں نگاہیں مری پرپاں ہوکر
صبر پڑتا ہے مرا آپکا احساں ہوکر
جیسے آباد ہوا ہو کوئی ویراں ہوکر
پر حرف آرزو نہیں آتا زباں پر
تہمت فراشی کی ہے اُس بدگمان پر
رکھتے ہوا سلئے نظر اس ناتوان پر
اُلٹا چڑھا مکان کا سایہ مکان پر
مرتے ہیں روز ایک نہ ایک نوجوان پر
آرہی سی کوئی جیسے تُرسے دور کی آواز
ہے شعلۂ طور اُس بت مغرور کی آواز
ہو جاتی ہے قفل دہن اُس حور کی آواز
ہو جائے گرہ حلق میں مخمور کی آواز
ملتی ہی بہت صابر مغفور کی آواز
مٹنے اعجاز سے باندی ہے رسن میرا آتش
پہنے پیراہن گل رنگ ہے تن میرا آتش

زیر لب برق تبسم ہے ترے خوف ہے — کہ نہ پھر جائے کہیں چاہِ ذقن میں آتش
بات کرتے ہو عجب ڈھب سے کہ جی جلتا ہے — کس طرح اٹھتے نہ پھر لپٹ سخن میں آتش
اپنی آتش قدمی کا یہ اثر ہے صابر — کہ جہاں چاہیے ہمراہ ہے نہیں آتش

کب چھپا سکتا ہے نورِ رخِ زیبا برقع — پردۂ دیدۂ بینا ہے تمہارا برقع
غنچہ و گل سے مشابہ ہوئے خوشبو میں حباب — دھونے دریا پہ جو آیا ترا میلا برقع
رخ پر اُسکے کوئی برقع ہے نہ چادر نہ نقاب — ہے فقط یار کی غفلت سے کنایا برقع
چشم حق بیں سے جو عالم پہ نظر کی ہمنے — ایک عارض پہ نظر آتا ہے صدہا برقع
وصف کس پردہ نشیں کا یہ لکھا ہے صابر — کہ معانی نے بھی الفاظ کا اوڑھا برقع

ہے نہ سمجھو تم کہ صابر ہم ہیں ناکام قلق — صبر تم سمجھے ہو جسکو وہ ہے انجام قلق
سیکڑوں طائر پھنسے اور ہو گئے لاکھوں ہی — ہم تڑپتے رہ گئے یوں ہی تہِ دامِ قلق
گنبدِ گردوں کی ہر گردش میں ہے رنگت نئی — کیوں بسر ہوتے نہیں یہ اپنے ایامِ قلق
کب تلک اے چرخ یہ روباہ بازی کب تلک — صبحِ عشرت غیر دیکھیں اور ہم شامِ قلق
تو برا ہے کہہ پہ کچھ منھ سے لیے جا ناصحا — اس سے کچھ تسکین مجھے ہوتی ہے ہنگامِ قلق

ذکرِ حنا نے حسن بڑھایا وصال میں — مہتاب انکے منھ پہ چھپی انفعال میں
سب کی نظر ہے سروِ قدِ خوش جمال پر — آنکھیں لگیں ثمر کی جگہ اس نہال میں
کیونکر نہ رد میں یادِ کمر میں مدام ہم — اک بال پڑ گیا ہے یہ چشمِ خیال میں
وہ ہی کہیں نزول ہو کر پہلو میں شکلِ مہر — ذرا کچھ چمکتا ہے گردِ ملال میں
آشفتہ زلف و چشم مریض و کمر نحیف — ہم اور تم شریک ہوئے ایک حال میں
ہے مثل سایۂ پاؤں پہ اُس سرو کے سر — کیا میں بھی مستعد ہوں نمازِ زوال میں
یوسف کہا انہیں تو کہا وجہِ تشبیہ کیا — صابر یہ آپنے غلطی کی مثال میں

پائیں گر تیرے مرقع کے کچھ اوراق آنکھیں — سات پردوں میں رکھیں اتنی ہیں مشتاق آنکھیں
کتنی غارت گرِ دل ہیں مری مشتاق آنکھیں — دین ہیں اللہ نے ظالم تجھے قزاق آنکھیں
ہم نہ کہتے تھے کہ آنکھیں نہ چرا او ہر دم — جنسِ مسروقہ ہوئیں شہرۂ آفاق آنکھیں

نہ نکلتے شررِ اشک نہ لڑتی جو نظر
ہوگئیں سنگِ دلِ غیر کو چقماق آنکھیں

ٹھوکریں طالبِ دیدار کو کھلواتی ہیں
سنگ بھی ہیں نئی ترکیب کی رزاق آنکھیں

تمنے آواز سنائی نہ دکھائی صورت
کان کا کام بن آیا ہے مشتاق آنکھیں

خواب میں آئے جو وہ مایۂ راحت صابرؔ
کھولنی صور کی آواز سے ہوں تنگ آنکھیں

نہیں کرتی رفاقت یہ بھی مجھ سے کنجِ تنہا میں
کوئی دشمن ہی جلے روح شاید جسمِ بیجا میں

نہیں قسمت میں جو شاید وہی دو حرف و کلمہ
رکھوں لوحِ جبیں اُنکی رشکِ لیلی کی دبستاں میں

کبھی گریاں ہوں فرقت میں کبھی آوارہ غربت میں
کبھی الیاس دریا میں خضر ہوں گر بیاباں میں

مے دیدار بزمِ وصل میں کیونکر پلاؤ گے
رکھا ہی آپ نے مینائے پیمان طاقِ نسیاں میں

یہ جیمیں ہی کہ صابر اپنا زورِ طبع دیکھینگے
پڑھیں اک مطلع نگیں بھی غزل بزمِ سخنداں میں

تری جگنو کی بڑھتی ہی لطافت چشمِ گریاں میں
کہ گھلکر اشک میں چھپتا ہے وہ داماں مژگاں میں

ہوا دھوکا جو دیکھی سبز قندیل اُنکی ایوانمیں
کہ سبزی ہلکی ہلکی ہے ضیائے ماہِ تاباں میں

چھپا رکھیں گے داغِ سینہ کو ہم وصلِ جاناں میں
کہ مثلِ صبح اک خورشید رہتے ہیں گریباں میں

کبھی تارِ قفس کٹتا نہیں شبہائے ہجراں میں
نئے جوہر دیا ہے قاتل مری تیغِ عریاں میں

پڑھو صابر کوئی ایسی غزل بزمِ سخنداں میں
کہ ایسا کوئی گلدستہ نہ گلزارِ رضواں میں

مکدر ہی رہی آنسو ہمارے دستِ مژگاں میں
کوئی آبِ گہر کو جان کیا سکتا ہے دہاں میں

کیا تھا آتشِ فرقت کو پنہاں غم وہ آفت ہے
کہ لایا موکشاں وہ دلِ جگر کو چشمِ گریاں میں

مدام افسردہ خاطر زندگی سے سب رہتے ہیں
سوا ہوتی ہے سردی صبح کو فصلِ زمستاں میں

ہنود اکثر نہانے ہر سحر جاتے ہیں دریا پر
پھری کیونکر وہ کافر ہماری چشمِ گریاں میں

سنایا مطلعِ تازہ یہ کہکر میں نے اُنکی جا پر
تفحص تھا مرے احوال کا کل بزمِ یاراں میں

ہمیشہ فکر ہی اشکو مری بندش کی ساماں میں
مثالِ معنیٔ بے لفظ ہوں میں ذہنِ جاناں میں

غضب کرتا ہے پرتوِ حسن کا انِ سبزہ رنگوں کی
کہ ہر ہر گام پر گرتی ہے برقِ سبز میداں میں

میں اپنی اس اسیری کی تلافی سہل کر لونگا
لگا دونگا تری تصویر کو دیوارِ زنداں میں

ہوئے بارِ خاطرِ ضعف سے دستِ جنوں ہمکو
کہ ایک تار اور گویا بڑھ گیا اپنے گریباں میں

مجھے صابر بنایا کیوں بنا دیتا خیالی — کہ اپنے وقت پر آتا تمہاری چشمِ تر کر
ہم عجب زیست کیا کرتے ہیں — روز آوارہ پھرا کرتے ہیں
یا تو دیکھا ہے کہ اکثر اشخاص — بیٹھکر یادِ خدا کرتے ہیں
یا جوانی کا مزا لوٹتے ہیں — خوش حسینوں میں رہا کرتے ہیں
یا کہ خمخانۂ ہستی سے مدام — بادۂ عیش پیا کرتے ہیں
ایک ہم ہیں کہ اِدھر ہیں نہ اُدھر — تلف اوقات کیا کرتے ہیں
چلے یہ سوچ کے گھر سے باہر — کہ بڑی ہم یہ خطا کرتے ہیں
لینے واں چلئے کہ جس جائے گزر — شعرا و فصحا کرتے ہیں
ہمنے دیکھا ہے کہ انسان ہاں — آدمی جا کے بنا کرتے ہیں
قاعدہ ہی شرفا زادی سب — اچھے لوگوں سے ملا کرتے ہیں
خدمتِ حضرتِ صابر میں گیا — کہ وہ نزدیک رہا کرتے ہیں
اکتساب ہنر و علم و کمال — اُنسے اکثر طلب کرتے ہیں
جُھک کے آداب بجا یا مینے — خورد جس طرح کیا کرتے ہیں
کھلے طرفین میں ابواب کلام — جیسے آپس میں ہوا کرتے ہیں
دیکھا جب خوب کہ لطف و اشفاق — وہ مرے ساتھ ادا کرتے ہیں
عرض کی مینے کہ قبلہ اب بھی — آپ اشعار کہا کرتے ہیں
مستفید اُنسے ہوں حضرت ہم بھی — وصف اکثر سے سنا کرتے ہیں
سُن کے فرمایا کہ اب فکر کجا — خونِ دل اپنا پیا کرتے ہیں
شعر کہنا تو رہا دھلی میں — اب تو دن رات بکا کرتے ہیں
قتل کنبہ ہوا سارا انجم — رات دن غم سے جلا کرتے ہیں
سبھی سامان امارت بگڑے — فکر روزی میں پھرا کرتے ہیں
مٹ گئی طبع کی گرمی ساری — نفس سیر و پھرا کرتے ہیں
بھائی ہم سے بھی پریشان خاطر — کہیں اشعار کہا کرتے ہیں

میرزا پور میں آئے جب سے
روز وحشت میں رہا کرتے ہیں

شعر خوانی کا نہ چرچا ہے یہاں
نہ یہ خواہش شرفا کرتے ہیں

شاعر اچھے ہیں یہاں بھی دو چار
پر وہ بے لطف جیا کرتے ہیں

نہ کہیں ہوتی ہے بزم انشاد
نہ لبِ نطق کو وا کرتے ہیں

نہ کبھی بزم پہ مردِ قابل
جمع اک جا تو ہوا کرتے ہیں

یہاں تو وہ بھی نہیں اے بندہ نواز
روز بیکار رہا کرتے ہیں

کس کے آگے کوئی اشعار پڑھے
کس سے یہ شعر سُنا کرتے ہیں

ہاں مگر سامنے ہم انور کے
بے جھجکے اشعار پڑھا کرتے ہیں

وہ سخن سنج ہیں ایسے اس جا
نکتہ رس جیسے ہوا کرتے ہیں

سُن کے البتہ وہ ہر قسم کے شعر
داد کچھ ہمکو دیا کرتے ہیں

سُن کے بینے کہا اے قبلۂ من
آپ ارشاد بجا کرتے ہیں

پر کہیں آپ سے اُستادِ جہاں
کبھی بے شغل رہا کرتے ہیں

سُن کے مجھے فرمایا کہ اچھا سُنئے
ہم جو بیہودہ بکا کرتے ہیں

اللہ اللہ زباں سے اُن کی
کچھ عجب پھول جھڑا کرتے ہیں

شعر پڑھتے نہیں اپنے گویا
درِ فردوس کو وا کرتے ہیں

آپ ہم اُن کو خفا کرتے ہیں
اور خفا ہوں تو گلا کرتے ہیں

ہم وہ بلبل ہیں کہ مثلِ نکہت
بے پروبال اُڑا کرتے ہیں

کوسوں ہو جاتی ہے غائب تاثیر
ہم اگر قصدِ دعا کرتے ہیں

جان دیں اُن کو جتا کر کیوں ہم
آپ وہ جان لیا کرتے ہیں

اک یہی مونسِ تنہائی ہے
شورے دل سے ہوا کرتے ہیں

جو نسے گل پہ بہار آتی ہے
پہلے ہم جان فدا کرتے ہیں

جو دلکو محبت کے مزے آئے ہوئے ہیں
وہ اپنی طبیعت پہ ابھی چھائے ہوئے ہیں

ہر بات پہ اظہارِ نزاکت ہے حیا سے
ثابت ہے کہ تکلیف بھی کچھ پائی ہوئے ہیں

کچھ تم نے ہمیں دل میں سمجھ رکھا ہے جو
کچھ ہم بھی تمہیں فن میں ٹھہرائے ہوئے ہیں

پھر ملنے کو جی چاہتا ہے یار کا ہم سے
ناچار ہیں غصہ میں قسم کھائے ہوئے ہیں

اللہ ری ضد کوٹھے کے چڑھتے ہیں تو کیا تک
جس روز سے ہم یار کے ہمسائے ہوئے ہیں

اب دل کو لگاتے ہیں ذرا سوچ سمجھ کر
دو چار جگہ پہلے جو زک پائے ہوئے ہیں

کچھ در پہ جھکائے ہوئے سر بیٹھے ہیں صابر
اس بزم سے شاید کہ نکلوائے ہوئے ہیں

پہلے نہ اڑایا کسی بیکس کے جگر کو
پر پہلے لگائے ہیں ترے تیر نظر کو

ہے تیر نگہ بزم عدو میں مری جانب
غصے میں چھپایا ہے محبت کی نظر کو

کچھ بال سفید آنکھے جوانی میں نہیں ہیں
چھیڑا کا شب دیجور یہ ہے نور سحر کو

کیوں آتش گل باغ میں ہے تیز کہ تم آپ
اٹھ جائیں گے اے شبنم شاداب سحر کو

دن رات کا فرق ان کی محبت میں ہے الفت
وعدہ تو کیا شام کا اور آئے سحر کو

دل چیز ہے کیا جان بھی دوں عشق کو صابر
میں نفع سمجھتا ہوں مدام ایسے ضرر کو

واں جاتے ہیں آداب سے ہم اور زیادہ
تعظیم کو اٹھتے ہیں قدم اور زیادہ

پڑتا ہے اک تیر نظر کا ترے ظالم
کچھ دور نہیں ملک عدم اور زیادہ

چلنا تری شمشیر کو برش کا سبب ہے
رفتار میں چڑھ جاتا ہے دم اور زیادہ

اک چھیڑ چلی جائے محبت ہو کہ رنجش
کچھ اس سے نہیں چاہتے ہم اور زیادہ

کھل جائیگا غنچہ دل افگار کا صابر
چھیلے گا اگر ناخن غم اور زیادہ

کہتے ہیں تجھ سے یہ آداب کا دستور رہے
چار انگل مرے چہرے سے نظر دور رہے

یہ آئینہ پہ نظر اے پری لقا ٹھہری
کہ خود پسند و خود آرا و خود نما ٹھہری

یہ کوٹ کوٹ کے شوخی بھری ہے ظالم
کہ ایک دم نہ تری آنکھ میں حیا ٹھہری

دکھائی آنکھ تو محفل میں ہم نہ بول سکے
دہن کا قفل تری چشم سرمہ سا ٹھہری

شب سیاہ میں کیا سہل اس نے ڈھونڈا مجھے
ضیائے عارض روشن جو رہنما ٹھہری

بہانہ جوئے اہل جفا ہو لے صابر
چھپایا اس نے جو خجلت سے منہ حیا ٹھہری

نہ تجھ سے بات کچھ ادا مطلب آشنا ٹھہری
بتاؤں دل کیا کر ہر اک پوچھتا ہے کیا ٹھہری

دیے جو ہم تو زمانے کو رزق پہونچایا
ہمارے بخت کی گردش بھی آسیا ٹہری
بجے تیرے کیا دل اعدا کے خار رستے میں
کہ جان راہِ فنا میں نہ ایک جا ٹہری
درِ قبول پہ تھا منتظر اثر لیکن
ہجوم سے نہ لبوں پر مری دعا ٹہری
لئے ہے مدِ نظر کیا اجل کا استقبال
لبوں پہ رہتی ہے کیوں جانِ مبتلا ٹہری
نہیں ہے سہل کچھ اس مضطرب کی نامہ بری
کہ ایک دم نہ جہاں میں کہیں صبا ٹہری
ملے ہیں ہم سے وہ اس شرط پر کہ نہ ملیں
ہمارے صبر کی صابر یہی جزا ٹہری

چرخ نے ظلم سے توڑے ہیں مکانِ دہلی
ہو رقم خطِ شکستہ سے بیانِ دہلی
جس طرف دیکھیئے اللہ نظر آتا ہے
بڑھ گئی اور بھی بربادی سے شانِ دہلی
لوٹے ہے اور بھی بازار ہوا گرم اُسکا
صاف ہے صورتِ آئینہ دکانِ دہلی
اُنکے اُٹھنے سے یہاں بیٹھی کو جا نہ رہی
ہند میں ظلِ آلہی تھے نگہبانِ دہلی
لُوٹ سے حقِ نمک اس کا ہے سب ثابت
کس دہن میں نہ گئی نعمتِ خوانِ دہلی
رشکِ گلزار ہے زخموں سے تن اک عالم کا
بن گئی موسمِ گل فصلِ خزانِ دہلی
اہلِ دلی کی سیہ بختی کا غم ہے صابر
کہ سیہ پوش ہیں سب حرفِ بیانِ دہلی

ہو کبھی اُسنے بگڑ کر وہ کبھی سے مے بھی
آ بھی مجھپہ تو بسر کی نہ گئی میں نے بھی
شام سے ملکے مریں وال کہ رکھیں وہ جہاں
آج سوچی ہے یہ ترکیب نئی میں نے بھی
منہ جو اکھڑا تو رقیبوں کو بھی جمنے نہ دیا
ایک ایسی ہی وہاں جا کے جڑی میں نے بھی
ربطِ اغیار کے چرچے کی قسم کیوں کھاؤں
آئی عالم کی زبان پر تو سُنی میں نے بھی
بوسۂ خالِ لبِ شیریں کا تمہارے پایا
کھائی جی کھول کے یہ تل شکری میں نے بھی
کی بہت رد و بدل اُس نے جو صابر مجھ سے
بات مرضی کے موافق نہ کہی میں نے

گاہے گاہے کی ملاقات ہے یہ بھی نہ سہی
اور کیا اسکے سوا بات ہے یہ بھی نہ سہی
منہ دکھاتے ہو تم اک سال میں مثلِ مہِ عید
یہی گر ہیچ اوقات ہے یہ بھی نہ سہی
خط کا لکھنا بھی گرانی ہے تو وہ بھی نہ لکھو
دور کی حرف و حکایات ہے یہ بھی نہ سہی
نظرِ لطف کبھی حال پہ کرتے ہو مرے
اس میں گر قصدِ مساوات ہے یہ بھی نہ سہی

اور کیا دیتے ہو دشنام سوا تم مجھکو
یہی تحفہ ہیں سوغات ہے [illegible]

آہ کرتا ہوں کبھی تنگ ستم سے ہو کر
گر جفا کی یہ مکافات ہے [illegible]

چھوڑ دی آپ نے جب بندہ نوازی صاحب
ایک خاطر کی عنایات ہے یہ بھی [illegible]

اور تو کیا ہی فقط ایک خوشی سے ملنا
یہی صابر کی کرامات ہے یہ بھی نہ ہی

ہزار دل کو نقاہت رہی دبائے ہوئے
وہ اب بھی سر پہ ہیں سو آفتیں اٹھائی ہوئے

ہوا بلند پریشانیوں کا جب رتبہ
وہ جمع کرتے ہیں ٹکڑے مرے اڑائے ہوئے

کہیں نہ کیونکہ وہ ہر رنگ میں مجھے پورا
ہزار رنگ کی ہیں تہمتیں لگائے ہوئے

کریں گے سیر ہمیں ملک بے مثالی کی
قدم کو حد ترقی سے ہیں بڑھائے ہوئے

وہ منہ چھپا کے نہ بیٹھیں کہ نام اُچھلے گا
کہاں تلک میں رہو بات کو دبائے ہوئے

منہ نے اُٹھاتے ہیں شکووں کی ہم تصور میں
وہ گویا سامنے بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

ہوا ہے صبر یہ صابر کو نا اُمیدی سے
کہ جیسے ہو کوئی اپنی مراد پائے ہوئے

ہجر میں چھوٹ گیا خون جگر کھانے سے
زندگی ہو گئی گویا مری مر جانے سے

رند وہ ہوں کہ مری خاک سے خم بنتے ہیں
پاؤں مر کر بھی نکلتا نہیں میخانے سے

سب کو تو نے مے دیدار پلائی ساقی
ایک محروم ہمیں جاتے ہیں میخانے سے

مجھ سے دل والے کو سمجھاتے ہو ناصح سمجھو
اُسکو سمجھاؤ سمجھ جائے جو سمجھانے سے

فصل گل پھر نہیں آنے کی جنوں کی صابر
آگے دن کو چلے شہر میں ویرانے سے

تری طرز ادا وقت سخن کچھ اور کہتی ہی
مری گستاخی ای پیمان شکن کچھ اور کہتی ہی

سنگت جی لیلی کی پہ تم بھی آئینہ دیکھو
بکھر کر رخ پہ زلف پرشکن کچھ اور کہتی ہی

ڈرو اللہ سے دیکھو ستم اتنے نہیں لازم
تمہیں خلق ای بت ستم فن کچھ اور کہتی ہی

بہار لالہ زار دشت غربت پر ہوں کیا قائل
کہ یہ بوئے گل صبح وطن کچھ اور کہتی ہی

لگا دو آج تم اسپ سیاہی اپنی زلفوں کی
کہ میرے داغ سوزش کی جلن کچھ اور کہتی ہی

چراغ صبح ہوئے لو پر مری ہیں ہمی صابر
ہماری تابش داغ کہن کچھ اور کہتی ہے